اور آگرہ پر برائے نام حکومت تھی۔ سید صاحب کا مقصد فقط مذہبی اصلاح ہی نہ تھا بلکہ وہ مسلمانوں کو بڑھتی ہوئی لادینیت سے بھی بچانا چاہتے تھے۔ کیونکہ یہ وہ زمانہ تھا جب عیسائی پادریوں نے ہندوستان پر دھاوا بولنا شروع کر دیا تھا۔ نیز سید صاحب کا یہ بھی خیال تھا کہ غیر ملکی حکومت اور اسلام ساتھ ساتھ نہیں رہ سکتے اور اسی بنا پر انھوں نے جہاد اور حکومت سے "غدّاری" کی تلقین کی۔

اس میں شک نہیں کہ شروع زمانہ (۳۱ - ۱۸۲۶ء) میں سید صاحب کی تحریک صرف سکھوں کے خلاف شروع کی گئی۔ لیکن یہ کہنا قطعی غلط ہوگا کہ یہ تحریک انگریزوں کے خلاف نہ تھی۔ یہ صحیح ہے کہ مجاہدین نے اپنی کارروائی کا آغاز پنجاب میں سکھوں کے قلعہ کی تباہی سے کیا۔ اس کی کئی وجوہات تھیں۔ ان میں سے ایک اہم وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کی حالت سکھوں کی حکومت میں بہت ہی خراب تھی۔ ان کا مال، ان کی عزت، ان کی جان، غرض کہ ہر چیز خطرہ میں تھی۔ مزید برآں انھیں مذہبی فرائض ادا کرنے کی بھی آزادی نہ تھی۔ سکھ حکومت میں مسلمان اذان بھی نہ دے سکتے تھے۔ اسی وجہ سے سکھ مملکت انگریزی مملکت کے مقابلے میں پہلے ہی "دارالحرب" قرار دی جا چکی تھی۔ کیونکہ انگریزی حکومت میں مسلمان اتنی زبوں حالی میں نہ تھے، جتنا کہ سکھ حکومت میں۔

چونکہ جہاد صرف ایک آزاد مملکت ہی سے شروع کیا جا سکتا ہے اس لیے سید احمد شہید نے اپنی کارروائی کا مرکز سرحدی علاقہ کو بنایا۔ یہ علاقہ اب بھی آزاد تھا۔ ان کا مقصد سب سے پہلے پنجاب کو آزاد کرانا تھا کیونکہ وہاں کے باشندوں کی حمایت حاصل کر لینے کے بعد وہ انگریزوں کے خلاف کارروائی شروع کرنا چاہتے تھے۔ سید صاحب نے جو خطوط شاہ محمود درانی، ہرات کے شاہزادہ کامران اور گوالیار کے راؤ سندھیا کو لکھے ان سے صاف ظاہر ہے کہ وہ انگریزوں کے سخت خلاف تھے اور انھیں ملک سے نکالنے کا تہیہ کر چکے تھے۔ سید صاحب انگریزی حکومت کو سکھ حکومت سے زیادہ خطرناک سمجھتے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ تحریک مجاہدین ابتدا ہی سے انگریزی سامراج کے خلاف تھی اور جب پنجاب بھی برطانوی حکومت میں شامل کر لیا گیا تو پھر شک و شبہ کی گنجائش ہی نہ رہی۔

بنگال میں تحریک کی مقبولیت

یہ تحریک جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں ۱۸۲۰ء میں شروع ہوئی۔ اس میں بنگال نے بھی بڑا اہم حصہ لیا۔ ۲۲-۱۸۲۰ء میں سید احمد شہید نے بنگال کا دورہ کیا اور اپنی تحریک سے وہاں کے لوگوں کو روشناس کیا۔ سید صاحب کے اس دورہ کا بہت اچھا اثر ہوا اور بنگالی مسلمانوں میں بڑا جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ بنگال کے طول و عرض سے لوگ سید صاحب سے بیعت کرنے کے لیے جوق در جوق آنے لگے، یہاں تک کہ جب وہ کلکتہ پہنچے تو انھیں لوگوں سے فرداً فرداً بیعت لینا مشکل ہو گیا، انھوں نے مجبوراً اپنا عمامہ پھیلا دیا اور کہا کہ جو شخص اسے چھوئے گا وہ میرے پیروؤں میں شامل ہو جائے گا۔

کلکتہ کے دورے کے بعد سید احمد شہید حج کے لیے مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے۔ حج سے واپسی پر ۱۸۲۴ء میں سید صاحب پھر بنگال تشریف لے گئے۔ وہاں کثیر تعداد میں نئے مجاہدین اپنی تحریک میں شامل کیے۔ آخر کار ۱۸۲۶ء میں جہاد کا اعلان کر دیا گیا۔ سکھوں سے کئی جھڑپیں ہوئیں اور مجاہدوں نے ۱۸۳۰ء میں پشاور پر قبضہ کر لیا۔ اسی اثنا میں خلافت کے قیام کا بھی اعلان کر دیا گیا۔ سید احمد شہید پہلے خلیفہ مقرر ہو گئے۔ لیکن یہ خلافت زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکی کیونکہ سید صاحب بمقام بالاکوٹ ۱۸۳۱ء میں شہید ہو گئے۔

ٹیٹو میر کا اعلانِ جہاد

اسی سال مجاہدین انگریزوں کے خلاف بھی لڑے۔ یہ لڑائی انگریزی علاقے میں لڑی گئی۔ اس جہاد کا بانی چاند پور کا باشندہ ٹیٹو میر تھا جس کا اصلی نام ناصر خاں ہے۔ ٹیٹو میر سید صاحب سے مکہ میں ملا تھا اور اس ملاقات کے بعد ان کا معتقد ہو گیا۔ حج سے واپسی پر ٹیٹو میر نے کلکتہ کا دورہ کیا اور کافروں کے خلاف لوگوں کی حمایت حاصل کر لی۔ اس نے ہندو زمینداروں کے مظالم کی طرف کسانوں کو توجہ دلائی اور ۳۱-۱۸۳۰ء میں اس کی رہنمائی میں کسانوں نے بغاوت کر دی۔

ٹیٹو میر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ قلعہ بند ہو گیا اور کچھ عرصہ تک انگریزوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ اس نے کلکتہ کے شمالی و مشرقی حصہ پر قبضہ کر لیا، اس میں چوبیس پرگنے، نادیا اور فرید پور کے اضلاع شامل تھے۔ اسی علاقہ کے ایک گاؤں کو اس نے اپنی کارروائی کا مرکز بنا لیا۔ اس

گاؤں کو مضبوط بانسوں سے گھیر کر ٹیٹو میر نے مورچہ قائم کر دیا اور مسلم حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان کے بعد مجاہدوں نے کئی ناکام حملے کیے، لیکن جب انگریزی فوج پہنچ گئی تو ان کی کچھ نہ بنی، انگریزوں نے مورچہ تباہ کر دیا۔ ٹیٹو میر مع اپنے لاتعداد ساتھیوں سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ اس کے ۳۵۰ ساتھی قید کر لیے گئے اور ان پر مقدمہ چلانے کے لیے علی پور بھیج دیا گیا۔ اس جدوجہد سے بہت فائدہ ہوا۔ ایک طرف تو اس جدوجہد نے کسانوں میں اپنے حقوق حاصل کرنے کی خواہش اجاگر کر دی اور دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ اس کی وجہ سے انقلابی تحریک کی بنیاد پڑ گئی۔

شریعت اللہ اور فرائضی تحریک

ٹیٹو میر کی تحریک کے علاوہ بنگال میں ایک اور تحریک بھی جاری تھی، یہ تھی فرائضی تحریک جس کی بنیاد حاجی شریعت اللہ نے ۱۸۰۴ء میں ڈالی تھی۔ یہ تحریک مجاہدین کے مقابلہ میں ایک معمولی تحریک تھی اور اس سے تقریباً بیس سال قبل چلائی گئی تھی۔ اگرچہ یہ تحریک جہاد کی کھلم کھلا تلقین نہ کرتی تھی لیکن اس کے اغراض و مقاصد سے صاف ظاہر تھا کہ دراصل اس کا مقصد جہاد ہی تھا یا اگر جہاد نہ ہو سکے تو پھر ملک کو چھوڑ دیا جائے۔ مثلاً حاجی شریعت اللہ ہی پہلے شخص ہیں جنھوں نے ہندوستان کو 'دارالحرب' قرار دیا۔ جمعہ اور عیدین کی نماز نہ ادا کرنے کا فتویٰ دیا۔

۱۸۴۰ء میں فرائضی تحریک پورے شباب پر تھی۔ اس کا اثر ان اضلاع میں جو کلکتہ سے مشرق میں تھے بہت زیادہ تھا۔ مثال کے طور پر ایک راوی کا کہنا ہے کہ "اندرونِ بنگال جماعت کے ایک مبلغ کے ماننے والوں کی تعداد اسّی ہزار تھی۔ یہ تمام پیر و اخوت کا دم بھرتے تھے۔ ان کے نزدیک ایک ساتھی کی تکلیف سارے فرقہ کی تکلیف تھی اور اپنے بھائی کو مصیبت سے نکالنا ضروری سمجھتے تھے خواہ انھیں کچھ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔" ہنٹر کا قول ہے کہ:

"یہ فرقہ ۱۸۴۳ء تک بہت خطرناک حد تک ترقی کر چکا تھا یہاں تک کہ گورنمنٹ نے اس پر انکوائری بٹھا دی۔"

محمد محسن عرف دودھو میاں

۱۸۳۵ء میں حاجی شریعت اللہ کے صاحبزادے محمد محسن عرف دودھو میاں (۱۸۱۹ء - ۶۰ء) کی سرکردگی میں مسلمان کسانوں نے ظالم ہندو زمینداروں اور نیل کی کاشت کرنے والے فرنگیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ محمد محسن کا کہنا تھا کہ "زمین اللہ کی ہے۔ کسی کو اس پر موروثی

حق نہیں اور نہ کوئی اس پر ٹیکس لگا سکتا ہے "۔ یہی وجہ تھی کہ ارباب اختیار سے اس کی فوراً جھڑپ ہوگئی۔

دودھو میاں نے مختلف ضلعوں میں اپنے خلیفہ مقرر کر دیے جو تحریک چلانے کے لیے لوگوں سے چندہ جمع کیا کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی عدالتیں الگ قائم کر لیں اور مسلمانوں کو انگریزی عدالتوں کا بائیکاٹ کرنے کی تلقین کی۔ دودھو میاں پر ۱۸۳۰ء، ۱۸۴۳ء اور ۱۸۴۴ء میں مختلف "جرائم" کی بنا پر مقدمے چلائے گئے لیکن وہ ہر مرتبہ صاف بری ہو گئے کیونکہ ان کی جماعت کے لوگوں سے سرکاری حلقے کوئی ثبوت یا گواہ ان کے خلاف حاصل نہ کر سکتے تھے۔

دودھو میاں کی وجہ سے فرائضی تحریک خالص سیاسی ہوتی جا رہی تھی اور آگے چل کر ۱۸۵۷ء میں یہ مجاہدین کی تحریک میں شامل ہو گئی۔ اس کے بعد سے بنگال کے فرائضی اور شمالی ہندوستان کے مجاہدین ساتھ ساتھ میدان جنگ میں لڑ کر شہید ہوئے اور ساتھ ساتھ ان پر فرنگی عدالتوں میں مقدمے چلائے گئے۔

مجاہدین کو جانی یا مالی نقصان پہنچانے یا ان پر مقدمہ چلا کر سختیاں کرنے سے اس تحریک کو روکا نہیں جا سکا کیونکہ یہ مجاہد ایک نیک مقصد کے حصول کے لیے ننگ تلف تھے اور وہ کسی طرح دبنے والے نہ تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سید احمد شہید کی وفات سے مجاہدوں کو شدید ضرب لگ چکی تھی لیکن سید صاحب نے اپنے مریدوں میں آزادی و مذہب کا جو جوش پیدا کر دیا تھا وہ بہ آسانی مٹنے والی شے نہ تھی۔

تنظیمی مرکز اور خفیہ سرگرمیاں

بالاکوٹ کے سانحہ کے بعد اس جماعت کے بچے ہوئے لوگ جماعت کی تمام سرگرمیاں برقرار نہ رکھ سکے اور اس جماعت میں خرابیاں بھی پیدا ہو گئیں۔ آپس میں تفرقہ پڑ گیا، قبیلوں نے دھوکہ دے دیا اور ایک دوسرے کا گلا کاٹنے پر تل گئے۔ ان سب خرابیوں کا دو طرح سے مقابلہ کیا گیا۔ مجاہدین کی ایک جماعت پہاڑوں میں جا چھپی اور اپنا مرکزی مقام ستانہ کو بنا لیا۔ وہاں سے انھوں نے قبائلیوں پر اپنا اثر ڈالنا شروع کیا۔ ریاست سوات پر بھی ان کی تبلیغ کا اثر ہوا، وہاں سے انھوں نے پنجاب اور جموں میں سکھوں پر بھی حملے کیے۔

مجاہدین کی دوسری جماعت ہندوستان لوٹ آئی اور ایک خفیہ جماعت کی داغ بیل ڈالی۔ اس کا مرکز پٹنہ بنایا گیا۔ اس جماعت کا کام مجاہدوں کے لیے چندہ جمع کرنا اور نئے مجاہدوں کو اپنے ساتھ شامل کرنا تھا۔ اس نے اپنے نمائندے ملک کے طول و عرض میں بھیج دیے۔ جماعت کے ان نمائندوں نے مذہبی احیاء اور تبلیغ کے فرائض اس وسیع پیمانہ پر انجام دیے کہ اس کی نظیر ہندوستان کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ انھوں نے ظاہر پرستی اور دنیاوی شان و شوکت کی مذمت کی اور لوگوں کو بے غرضی اور قلندری کی طرف مائل کیا۔ ان کی تبلیغ سے متاثر ہو کر مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد آزادیٔ ملک کی خاطر جان و مال قربان کرنے پر تیار ہو گئی۔

بنگال میں تحریک کا احیاء

اس سلسلہ میں بنگال کی خدمات قابل ذکر ہیں۔ بنگالی مسلمانوں نے مجاہدین کی جو حمایت کی اس کی بہت سی وجہیں تھیں۔ بنگال میں انگریزوں نے ۱۷۹۳ء سے "بندوبست استمراری" قائم کر دیا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنگال کے مسلمان کسان چند ظالم ہندو زمینداروں کے ملازم ہو گئے۔ بنگال میں جو مسلمان رئیس تھے ان کی بھی حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی تھی۔ بنگالی مسلمانوں کو ہر طرف تاریکی اور مایوسی کا ہی سامنا تھا۔ اس تاریک ماحول میں مجاہدین کا پیغام روشنی بن کر آیا اور وہ ہر طرح سے اس تحریک کی حمایت پر کمربستہ ہو گئے۔ مولوی عنایت اللہ نے ۱۸۳۱ء کے بعد سارے بنگال کا دورہ کیا۔ جہاں مسجدیں نہ تھیں وہاں مولوی صاحب نے مسجدیں تعمیر کرائیں مجاہدوں کے مرکز قائم کیے اور وہاں سے نئے مجاہدین اور مالی امداد براستہ پٹنہ روانہ کیے جانے لگے۔ مولوی عنایت اللہ ہی نہیں اس طرح اکثر بنگالی مسلمان جن میں مولوی ولایت اللہ کا نام قابل ذکر ہے، گھروں سے نکل پڑے اور لوگوں میں تبلیغ کرنے لگے۔ ان مبلغوں کی جرأت کا یہ حال تھا کہ یہ بلاخوف عوام کو حکومت سے بغاوت کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ پٹنہ کے ایک جج کا کہنا ہے کہ:

"یہ لوگ کھلے بندوں اس ضلع کے ہر گاؤں میں بغاوت کی تلقین کرتے ہیں، ان کی تلقین نے مسلمانوں کو ذہنی انتشار میں مبتلا کر دیا ہے۔ یہ لوگ یہ سب کچھ بڑی دیدہ دلیری سے عین حکومت کے سامنے کرتے ہیں۔"

اس تحریک کو دور دراز علاقہ تک پہنچانے کے لیے پٹنہ کی جماعت نے کتابیں چھاپنا شروع

کردیں، ان تحریروں میں جہاد کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ ان کی شروع کی کتابوں میں بھی جہاد ہی پر زیادہ زور تھا۔ ان کا یہ مقولہ تھا کہ "جہاد سے بڑے فوائد ہیں، اور جو جہاد میں حصہ لیتے ہیں وہی جہاد کی برکتوں کے بھی حق دار ہیں۔"

ہنٹر کا کہنا ہے کہ:

"ان کے ترانے بھی اسی رنگ کے ہیں۔ ہماری سرحدوں پہ یہ باغی صبح و شام انہی ترانوں کی دھنوں پر ڈرل کرتے ہیں یا نئے مجاہدوں کی جماعت جو ہمارے علاقہ میں شمال کی طرف جاتی ہے وہ بھی سڑکوں پر یہی ترانے گاتی جاتی ہے۔"

مثلاً مجاہدوں کے ایک رسالے "راہ سنت" میں جو نظم ۱۸۶۸ء میں بمبئی میں چھپی تھی یہ صاف کہہ دیا گیا کہ

"خیرخواہ کمپنی مردود ہے۔"

"رسالہ جہاد" کے شعر قاری کو بتاتے ہیں کہ کافر کے خلاف جہاد ہر مسلمان پر فرض ہے اس لیے بحیثیت مسلمان جہاد کے لیے تیار ہو جاؤ:

فرض ہے تم پہ مسلمانو جہادِ کفار   اس کا سامان کرو جلد اگر ہو دیندار

یہ تھیں مجاہدوں کی سرگرمیاں جن میں وہ سرحد سے واپسی کے بعد بڑی تندہی سے لگے ہوئے تھے اور انھیں سرگرمیوں کی وجہ سے آزادی کی بجھتی ہوئی چنگاریوں کو ہوا ملتی تھی اس دوران میں انگریزوں اور افغانوں میں جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں مجاہدوں کی ایک بہت بڑی جماعت افغانستان کی مدد کے لیے روانہ ہو گئی جس میں سے ایک ہزار افراد افغانیوں کی آخر دم تک مدد کرتے رہے۔ ہنٹر نے اپنی تصنیف میں طنزاً ذکر کیا ہے کہ:

"تین سو مجاہدوں کو فرنگی سنگینوں نے جام شہادت پلا دیا۔"

انگریزوں سے جنگیں

انگریزوں اور مجاہدوں کی سب سے پہلی جنگ ۴۸-۱۸۴۷ء میں مقام دوب میں ہوئی اس میں مجاہدوں کو شکست ہوئی۔ دوسری سخت جھڑپ دریائے سندھ کے دائیں ساحل پر امب کی ریاست میں بمقام کوٹلا ہوئی۔ مگر مجاہدوں کو اس جگہ قلعہ خالی کرنا پڑا۔ انھیں دنوں سرحدی

مجاہدوں نے راولپنڈی چھاؤنی کی چوتھی دیسی انفنٹری میں بغاوت پھیلانے کی کوشش کی۔ لیکن ان کی یہ کوشش بھی کامیاب نہ ہوسکی، کیونکہ ۱۸۵۲ء میں ان کا راز فاش ہوگیا اور بہت سے ہندوستانی سپاہیوں کو ان سے خط و کتابت کرنے کے جرم میں سخت سزائیں دی گئیں۔ جو کاغذات سپاہیوں کے پاس سے برآمد ہوئے ان سے پٹنہ کی جماعت اور اس کی متعدد شاخوں کا بھی راز کھل گیا اور حکومت ان پر کڑی نگرانی رکھنے لگی۔

اتنی ناکامیوں کے بعد بھی مجاہدین نے قبائلیوں میں اتنا جوش و خروش پیدا کر دیا تھا کہ وہ ہمیشہ انگریزوں کے جانی دشمن بنے رہے۔ ان کو مغلوب کرنے کے لیے انگریزوں نے سولہ مرتبہ فوجیں بھیجیں اور ان مہموں میں (۱۸۵۰ء۔ ۵۷) اوسطاً تین ہزار سپاہیوں نے حصہ لیا۔ ۱۸۶۳ء تک انگریزوں نے ان کے خلاف بیس مہمیں روانہ کیں جن میں غیر فوجی سپاہیوں اور پولیس کے علاوہ ساٹھ ہزار فوجی سپاہیوں نے حصہ لیا۔ ۱۸۵۸ء میں پانچ ہزار فوج سر سڈنی کاٹن کی قیادت میں روانہ کی گئی۔ اگرچہ یہ فوج مجاہدین کو ستانہ سے نکالنے میں کامیاب ہوگئی لیکن وہ بھی دبنے والے نہ تھے اور انھوں نے وہاں سے ہٹ کر منگل تھانہ کو اپنا مرکز بنا لیا۔ اس کے فوراً بعد ہی انھوں نے مقام ملکا پر مہابن پہاڑ کے شمالی جانب ایک نوآبادی قائم کر دی۔ ۱۸۶۱ء میں مجاہدین ملکا سے پھر آگے بڑھے اور ستانہ کے قریب پہنچ گئے۔

اس عرصہ میں انگریزوں نے ناکہ بندی شروع کر دی اور مختلف قبیلوں پر دباؤ ڈال کر مجاہدین کو اپنی سرزمین سے نکال دیں، مگر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ مجاہدین شکست کھانے کے بعد فوراً سنبھل گئے اور قبائلیوں میں انگریز دشمنی کی آگ تیز تر کر دی۔ مجاہدین نے پھر اقدام شروع کیا اور بڑی دلیری سے انگریزی چوکی ٹوپی پر دھاوا بول دیا۔ (۱۸۶۲ء - ۶۳) اس حملہ سے انگریز بالکل ہمت کھو بیٹھے، اور بھاگ نکلے۔ مجاہدوں نے دریائے سندھ کے دائیں جانب اپنا ایک مرکز بنا لیا جہاں سے وہ برابر نا بخیر ان کی چوکی پر حملے کرنے لگے۔ پھر وہ کوہ سیاہ کی شنگلائی وادی تک بھی پہنچنے لگے، یہ علاقہ نواب امب کو انگریزوں نے بطور جاگیر دے رکھا تھا۔ یہیں ۱۸۶۳ء میں جنگ امبیلہ لڑی گئی، جس کی سپہ سالاری سر نیویل چیمبرلین کر رہے تھے۔ اس جنگ میں بہت زیادہ جانی نقصان ہوا۔ مجاہدین دو ماہ تک مقابلہ کرتے رہے، کئی لڑائیاں ہوئیں جن میں انگریز ناکام رہے۔

انگریز جب فوجی طاقت سے مجاہدین کو دبا نہ سکے تو سیاسی چالوں سے انھیں مغلوب کرنا چاہا۔ ڈاکٹر محمود حسین کا بیان ہے کہ " انگریز جو فوجی طاقت سے نہ کر سکے وہ انھوں نے سیاسی چالوں اور روپیہ بکھیر کر حاصل کر لیا۔"

انگریزوں کی سیاسی چالوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملکا بالکل تباہ ہو گیا اور مجاہدوں کو بہت نقصان پہنچا۔ اس مہم میں انگریزوں کا بھی جانی نقصان ہوا۔ سرکاری اعلان کے مطابق ۹۰۸ انگریز مارے گئے۔ لیکن لوگوں کا خیال ہے کہ تقریباً سات ہزار انگریز مارے گئے۔ سرکاری حلقوں کے مطابق انگریزوں کی بیالیس مہموں میں جو وہ قبائیلیوں کے خلاف لڑے صرف ۲۱۷۳ افراد ضائع ہوئے۔ یہ تعداد بہت کم بتلائی گئی ہے تاہم اس سے صاف ظاہر ہے کہ مقابلہ بہت سخت تھا اور کافی عرصہ تک جاری رہا۔ معرکہ امبیلہ میں بہت نقصان ہوا لیکن انگریز مجاہدین کو مکمل طور سے زیر کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ جو مجاہد بچ رہے تھے وہ پھر یک جا ہو گئے اور قبائیلیوں کی حمایت حاصل کر کے چار سال کے اندر ہی پھر آگے بڑھے۔ اس مرتبہ انگریزوں نے جنرل وائلڈ کی سپہ سالاری میں فوج روانہ کی۔ لیکن یہ فوج بھی مجاہدوں کو دبا نہ سکی اور نہ انھیں ہندوستان واپس چلنے کی ترغیب دے سکی۔

ہنٹر کے مندرجہ ذیل الفاظ تحریک مجاہدین کے ذکر کے اختتام پہ لکھے گئے ہیں جو اس تحریک کی کسی حد تک ترجمانی کرتے ہیں:

" اس تحریک نے قبائیلیوں کو تین مرتبہ ایک مرکز پر جمع کر دیا اور ہر مرتبہ انگریزوں کو جنگ کرنا پڑی۔ ہر حکومت نے اس تحریک کو خطرناک قرار دیا لیکن کوئی اسے ختم نہ کر سکی۔ یہ تحریک اب بھی غیر وفادار رعایا اور دشمنوں کے لیے توجہ کا مرکز ہے اور وہ اس کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ ہم صرف غداروں ہی سے نہیں ڈرتے بلکہ غیر وفادار رعایا سے بھی ڈرتے ہیں۔ ان لوگوں کو اور سرحدی قبائیلیوں کو متعصب ملّا ہمارے خلاف جہاد کرنے کے لیے اکثر جمع کر لیتے ہیں۔"

تحریک کو ختم کرنے کی تدبیریں

سرحدی قبائیلیوں کو تو " سیاسی چالوں اور روپیہ کے زور " سے جیتا جا سکتا تھا لیکن " غیر وفادار رعایا " کو اپنے قابو میں کر لینا بہت دشوار تھا۔ انگریزوں کو آخر کار ایک حل سوجھا اور وہ یہ تھا کہ ایسی رعایا پر برسرِ عام مقدمہ چلایا جائے۔ ان مقدموں کا خاطر خواہ اثر ہوا اور تحریک مجاہدین کی کمر ٹوٹ گئی۔ ۱۸۶۴ء سے لے کر ۱۸۷۱ء تک پانچ مقدمے (State Thrials) چلائے گئے۔ انبالہ،

پٹنہ، کلکتہ، مالدہ اور دیگر مقامات پر یہ مقدمے چلے، انھیں وہابی ٹرائل بھی کہتے ہیں۔ یہ تقریباً دس سال تک ہوتے رہے اور انھیں کی وجہ سے مجاہدین بنگال، بہار، یو پی اور دیگر علاقوں میں آہستہ آہستہ غائب ہونے لگے۔

ان تمام تحریکوں میں بنگالی مسلمانوں نے بڑا اہم رول ادا کیا۔ ہنٹر کا قول ہے کہ:

"سرحدی کیمپ کے لیے وسط بنگال سے رضا کار لگاتار بھیجے جا رہے تھے۔"

یہ حقیقت ہے کہ بنگال نے اس تحریک کو فوراً اپنا لیا اور قابلِ تحسین رویہ اختیار کیا۔ بنگالی مسلمانوں کی عقیدت کا یہ حال تھا کہ رضا کار یہ سارا سفر سرحد تک پیدل طے کرتے تھے اور وہاں کی آب و ہوا کی شدت بخوشی برداشت کرتے تھے۔ ہزاروں بنگالی مجاہدین جنگ میں مارے گئے اور سینکڑوں ستانہ پہنچنے سے پہلے ہی جاں بحق ہو گئے۔

بنگالی مجاہدین کا تذکرہ سرکاری مقدموں کی سماعت کے دوران اکثر آتا تھا۔ جو کاغذات راولپنڈی میں چوتھی دیسی انفنٹری سے چھینے گئے ان کا پتہ چلا کہ بنگال میں ایک منظم جماعت ہے جو "باغیوں" کو رضا کار اور ہتھیار روانہ کرتی رہتی ہے۔ مئی ۱۸۶۲ء میں جو مجاہدین گوذن خاں نے پکڑ لیے تھے، وہ بنگالی ہی تھے۔ یہ مجاہدین بنگال جا رہے تھے تاکہ وہاں سے نئے رضا کار بھرتی کریں اور مالی امداد کا بھی انتظام کریں۔ اسی واقعہ کے بعد مجاہدین پر مقدمے چلائے جانے لگے۔

یہ امر قابلِ غور ہے کہ ۱۸۶۸ء تک بقول ہنٹر کلکتہ محمڈن کالج میں جہاد کی اہمیت طلبہ پر واضح کی جاتی تھی اور امتحانات میں "فلسفۂ بغاوت" پر سوالات پوچھے جاتے تھے۔ اس کالج میں ایک عالم کی پوری لائبریری بھی تھی۔ اس عالم کو ۱۸۵۷ء کی جنگ میں حصّہ لینے کے جرم میں حبس دوام کی سزا مل چکی تھی۔ کالج کے احاطہ میں ایک "فرائضی" مسجد بھی تھی۔ بنگال ہی نے سب سے پہلے ہندوستان کو "دارالحرب" قرار دیا اور سرحد کی طرح بنگال میں بھی علم بغاوت بلند کیا گیا۔

چنانچہ ہنٹر کا قول ہے کہ:

"بنگالیوں کی تیز دماغی نے تحریک مجاہدین کو موجودہ رنگ و روپ بخشا ہے۔"

علمی رسائل کے مضامین

الرحیم۔ حیدرآباد۔ ستمبر ۱۹۶۷

شاہ ولی اللہ کا فلسفہ	عبدالواحد ہالیپوتہ۔ مترجم سید محمد سعید
سلسلہ مجددیہ کا ایک نادر مخطوطہ	غلام مصطفٰے خاں
افادات مولانا عبیداللہ سندھی	عزیز احمد
مشرقی پاکستان کے صوفیائے کرام	وفا راشدی

الفرقان۔ لکھنؤ۔ ستمبر ۱۹۶۷

معارف الحدیث	محمد منظور نعمانی
یک دو ساعت صحبتے با اہل دل	سید ابوالحسن علی ندوی
دینی حقائق ومسائل اور شاہ ولی اللہ	افادات حضرت شاہ ولی اللہ
کیا اخلاقی قدریں اضافی ہیں	وحیدالدین خاں
دورِ جدید میں عقیدہ کا مسئلہ	پروفیسر فریڈ برتھولڈ

بُرہان۔ دہلی۔ اگست ۱۹۶۷

عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان	خورشید احمد فارق
قاموس الوفیات الاعیان الاسلام	ابوالنصر محمد خالدی
ہندوستان کا پہلا عربی گو شاعر	حامد علی خاں
حیات عرفی شیرازی کا ایک تنقیدی مطالعہ	ولی الحق انصاری

طلوع اسلام۔ لاہور۔ اگست ۱۹۶۷

حقوق العباد	غلام احمد پرویز
اسلامی سوشلزم یا قرآن کا اشتراکی نظام	
تکذیب دین کون کرتا ہے	غلام احمد پرویز

امریکہ اور یہودی	-
یہودیوں کی حکومت قرآن کے آئینے میں	-
افریقہ ایشیا کا عالمی کردار	خورشید عالم

فاران - کراچی - ستمبر ۱۹۶۷

خواجہ محمد معصوم اور اورنگ زیب عالمگیر کے تعلقات پر ایک نظر	محمد ایوب قادری
علامہ اقبال کی مصلحانہ شاعری	معین الدین اجمیری
دین کے نام پر شرک و بدعت کی تبلیغ	ماہر القادری
زبور عجم کی غزلوں کا ترجمہ	طور نورانی
فرمانروایان سلطنت مالوہ	محمد حفیظ اللہ پھلواروی

فکر و نظر - راولپنڈی - ستمبر ۱۹۶۷

محمد صلی اللہ علیہ وسلم	فضل الرحمٰن
اصول فقہ اور امام شافعی	احمد حسن
تشکیل قوانین اسلامی کے تاریخی مراحل	مفتی امجد العلی
خلافت راشدہ میں شورائی نظام	محمد یوسف گورایہ
فلسفۂ علم اور قرآن پر ایمان کی کہانی	شیخ ندیم الجسر
تاریخ سائنس کا ایک ادھورا باب	سید عابد حسین

معارف - اعظم گڈھ - اگست ۱۹۶۷

ابو عبید قاسم بن سلام	ضیاءالدین اصلاحی
بریلی کے خاندان مفتیان کی شاعری	لطیف حسین ادیب
عراق میں جدید عربی شاعری کا ارتقاء	سید احتشام احمد
مولانا شبلی کی ایک تقریر (لاہور - اپریل ۱۹۰۹)	-